مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

# مغربی تہذیب اور تجدد کے علمبردار

## علامہ اقبالؒ کی نظروں میں

★ مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی
★ آوازۂ تجدید یا تقلید فرنگ
★ پاکستان ایک اسلامی تجربہ گاہ مگر نازک امتحان

مشرق کے اہل نظر اور ذہین افراد میں (باوجود اس کے کہ ان میں سے اکثر کو مغرب کی سیر اور مطالعہ کا موقعہ ملا) کوئی ایسا نہ تھا جس نے مغربی تہذیب و افکار کا اتنی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اس قدر جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کی ہو۔ محمد اقبالؒ نے اس تہذیب کے عناصر ترکیبی اور اس کے کمزور پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس فساد کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

★

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مسلم نوجوانوں نے مغربیات کے مطالعہ و تحقیق کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ ہندوستان کی اعلیٰ یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں مغربی علوم و افکار کا گہرا مطالعہ اور تجربہ کر رہے تھے۔ فاتح تہذیب اور اس کے علمبرداروں سے مرعوبیت اب روز بروز کم ہو رہی تھی، ہندوستانی مسلمان اعلیٰ تعلیم کے لئے اب یورپ آنے جانے لگے تھے جن میں سے بعض یورپ کے بڑے بڑے تعلیمی مرکزوں میں طویل عرصہ تک قیام کر کے وہاں کے علمی سرچشمہ سے سیراب ہوتے اور جدید علوم کو ممتاز اور آزاد فکر اساتذہ کی رہنمائی میں حاصل کرتے، وہ مغربی تہذیب سے محض کتابوں کے ذریعہ نہیں بلکہ اس کے بہترین نمائندہ اشخاص کے ذریعہ تعارف حاصل کرنے اور اس کے قلب و جگر میں اتر کر اور اس کی تہ میں پہنچ کر اس سے اس طرح واقف ہونے کی کوشش کرتے جس طرح کوئی تعلیم یافتہ یورپین کر سکتا ہے۔ وہاں کے فلسفوں، نظاموں اور مختلف مکاتب خیال کا جائزہ لیتے اور ان کے مضمرات، حقائق و اسرار تک پہنچنے کی کوشش کرتے، ان کو مغرب کے ذہن و مزاج، اس کے قومی غرور اور احساس برتری اور اس کے عوام کی خود پسندی اور انانیت کو قریب سے دیکھنے

کا موقعہ ملتا، اس سوسائٹی میں زوال و انحطاط اور ذہنی افلاس کی ابتدائی علامتیں اور آثار ان پر واضح ہوئے وہ صالح اور تعمیری اجزاء بھی ان کی نظر میں آئے جو انسانیت کے لئے فلاح بخش ہو سکتے ہیں، اسیطرح وہ تخریبی اور انسانیت دشمن اجزاء بھی (جو اس تہذیب کے خمیر میں شروع سے موجود ہیں) ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو سکے۔ ان سب مشاہدات نے ان کے دل و دماغ میں ایسے احساسات اور معانی اجاگر کئے، جن کا حصول اتنے طویل قیام کے بغیر اور اس کے نظریات و افکار کے تقابلی مطالعہ، جرأت مندانہ اور گہری نظر، تقلید (مغرب) کی بندش سے خلاصی اور اس ایمان کی چنگاری کے بغیر جو ابھی بجھی نہ تھی۔ بلکہ راکھ کے ڈھیر میں دب گئی تھی اور کسی وقت بھی بھڑک اٹھنے کی منتظر تھی، ناممکن تھا۔

ان سب چیزوں کے مشاہدہ کے بعد ان میں بہت سے فاضل مغربی تہذیب سے مایوس ہو کر اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے بڑی گہرائی اور جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کا ارادہ لے کر واپس ہوئے، ان کے فکر اور تنقید میں نہ انتہا پسندی تھی نہ واقعات کا انکار، نہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا جذبہ۔

ان انقلابی ناقدین میں سب سے نمایاں نام علامہ محمد اقبال کا ہے۔ جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم جدید نے اس صدی کے اندر ان سے بہتر نمونہ پیش نہیں کیا، ان کو جدید مشرق کا سب سے زیادہ بالغ نظر مفکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ مشرق کے اہل نظر اور ذہین افراد (باوجود اس کے کہ ان میں سے اکثر کو مغرب کی سیر اور مطالعہ کا موقعہ ملا) کوئی ایسا نہ تھا جس نے مغربی تہذیب و افکار کی اتنی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اس قدر جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کی ہو۔

**فسادِ قلب و نظر** | محمد اقبالؒ نے اس تہذیب کے عناصر ترکیبی اور اس کے کمزور پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس فساد کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جو اس کے مادی رجحان، مذاہب اور اخلاقی و روحانی اقدار سے اہل مغرب کی بغاوت کی وجہ سے اس کے خمیر میں شامل ہو گیا ہے۔ انہوں نے قلب و نظر کے اس فساد کو جو اس تہذیب کی خصوصیت ہے روح تہذیب کی آلودگی و ناپاکی پر محمول کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف[1]

اس کا نتیجہ دل کی وہ بے نوری اور زندگی کی وہ بے کیفی ہے جو اس تہذیب پر بری طرح مسلط ہے۔

---

[1] ضرب کلیم ص۶۹

اور اس نے اس کو ایک مشینی و مصنوعی رنگ دیکر روحانی قدروں سے اس کا رشتہ منقطع اور خدا کی رحمت سے اس کو دور کر دیا ہے ، وہ کہتے ہیں :

یہ عیشِ فراواں یہ حکومت یہ تجارت — دل سینۂ بے نور میں محرومِ تسلّی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے — یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلّی [1]

مادیت کے پرستار | انہوں نے اس تہذیب کی لادینی بنیاد اور اس کے لادینی خمیر کا جا بجا ذکر کیا ہے جس کو مذہب و اخلاقیات سے بیر ہے ۔ اور جو روحِ ابراہیمی سے متنفر ہو کر مادیت کے معبودانِ باطل کی پرستار اور ایک نئے بت خانہ کی معمار ہے ، "مثنوی پس چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں :

لیکن از تہذیبِ لادینی گریز ! — زاں کہ او با اہلِ حق دارد ستیز
فتنہ ہا این فتنہ پرداز آورد — لات و عزّیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدۂ دل نابصیر — روح از بے آبیٔ او تشنہ میر
لذتِ بے تابی از دل می برد — بلکہ دل زیں پیکرِ گِل می برد
کہنہ دزدے غارتِ او برملاست
لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست [2]

شیوۂ تہذیبِ فرنگ | اس تہذیب کا شیوہ غارت گری اور آدم دری ہے اور اس کا مشغلہ اور مقصد تجارت اور سوداگری ہے ، دنیا کو امن و سکون اور بے غرض محبت اور خلوص کی دولت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے ، جب اس تہذیبِ جدید کا نظام تہ و بالا ہو جائے ـــ فرماتے ہیں :

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است — پردۂ آدم دری سوداگری است
ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود — نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام [3]

یہ تہذیب اگرچہ (اپنی عمر و تاریخ کے لحاظ) جواں سال و نو عمر ہے مگر اپنی غلطیوں اور بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے عالمِ نزع میں گرفتار اور مکمل زوال کے لئے تیار ہے ، اس تہذیب میں ـــ "یہودی شاطروں" نے جو اقتدار حاصل کر لیا ہے ، اس کے پیشِ نظر بعید نہیں کہ یہودی ہی اس مقدس ترکہ کے وارث ہوں ـــ وہ کہتے ہیں :

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جواں مرگ — شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولّی [4]

---

[1] ضربِ کلیم ص ۱۴۰ ۔ [2] ص ۴۱ ، [3] ص ۳۷ ، ۳۸ ، [4] ص ۱۴۱

لیکن بسترِ مرگ پر طبعی موت مرنے کی بجائے سارے آثار و قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ تہذیب خودکشی کا ارتکاب کرے گی اور خود اپنے خنجر سے اپنا گلا کاٹ کر اپنا کام تمام کرے گی۔ — فرماتے ہیں:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا

**دین و اخلاق کے بغیر تسخیرِ کائنات**

اس تہذیب نے دین و اخلاق کی نگرانی اور خوفِ خدا کی رفاقت کے بغیر تسخیرِ کائنات کا جو نازک سفر شروع کیا تھا، اس کی کامیابیوں نے خود اس تہذیب کے وجود و بقا کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود اپنی آگ میں جل کر خاک نہ ہو جائے۔ — فرماتے ہیں:

وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اُسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اُس کا آشیانہ ؎

"سود و سودا اور مکر و فن" کی یہ دنیا جس کا فرنگی معمار ہے اب دم توڑ رہی ہے، اور ایک نئی دنیا جنم لے رہی ہے — وہ کہتے ہیں:

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ ؎

وہ کہتے ہیں کہ یہ تہذیب علم کی ضیاء سے روشن اور زندگی کی حرارت سے شعلہ زن ہے وہ طبعیات و صنعت کے دائرہ میں وقتاً فوقتاً اپنے کمالات کا اظہار بھی کرتی رہتی ہے لیکن دراصل وہ انقلابی ایجاد و اجتہاد کی قوت سے محروم ہو چکی ہے۔ وہاں عقل کا نغمہ "دل کا زیاں" ہے۔ اس کے رہنما خود تقلید کے بندے اور لکیر کے فقیر ہو چکے ہیں۔ اس کے مرکز اب نعرہ مستانہ، اداے قلندرانہ اور جرأتِ پیرانہ سے محروم ہو چکے ہیں — کہتے ہیں:

یاد ایامے کہ بودم در خمستانِ فرنگ — جام او روشن تر از آئینۂ اسکندر است
چشمِ مستِ مے فروشش بادہ را پروردگار — بادہ خواران را نگاہِ ساقی اش پیغمبر است

---

؎ ؎ بالِ جبریل صفحہ ۱۶۶

جلوۂ او بے کلیم و شعلۂ او بے خلیل عقلِ ناپروا متاعِ عشق را غارت گر است

در ہوایش گرمیٔ یک آہِ بے تابانہ نیست

رندِ این میخانہ را یک لغزشِ مستانہ نیست ؎

روشن چہرہ مگر تاریک دل | ایک موقع پر اس تمدن کے روشن چہرہ لیکن تاریک دل کی تصویر اسطرح کھینچتے ہیں :

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر ہے تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

مغربی تمدن اس کی بنیادوں اور اس کے طرزِ فکر پر یہ تنقید اور جائزہ ان کے علمی خطبات میں جو انہوں نے مدراس میں دیئے تھے اور جو RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM کے نام سے شائع ہوئے تھے، قدرتی طور پر زیادہ ٹھوس اور گہرا ہے : اس لئے کہ علم و فلسفہ کی زبان شعر و ادب کی زبان کے مقابلہ میں علمی خیالات اور جچی تلی تنقید کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ مغرب کی مادی تہذیب کی ساخت اور مزاج اور موجودہ انسان پر (جو اس کا نمائندہ اور علمبردار ہے) نیز ان مسائل اور مشکلات پر جن سے وہ دوچار رہے تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"عہدِ حاضر کے تنقیدی فلسفوں اور علومِ طبعیہ میں اختصاص نے انسان کی جو حالت کر رکھی ہے بڑی ناگفتہ بہ ہے، اس کے فلسفۂ فطرت نے تو بیشک اسے یہ صلاحیت بخشی کہ قوائے فطرت کی تسخیر کرے، مگر مستقبل میں اس کے ایمان اور اعتماد کی دولت چھین کر۔

عصرِ حاضر کی ذہنی سرگرمیوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ان کے زیرِ اثر انسان کی روح مردہ ہو چکی ہے، یعنی وہ اپنے ضمیر اور باطن سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ خیالات اور تصورات کی جہت سے دیکھئے تو اس کا وجود خود اپنی ذات سے متصادم ہے۔ سیاسی اعتبار سے نظر ڈالئے تو افراد سے، اس میں اتنی سکت

---

؎ پیام مشرق صـ۲۴۸

ہی نہیں کہ اپنی بے رحم انانیت اور ناقابلِ تسکین جوعِ زر پر قابو حاصل کر سکے، یہ باتیں ہیں جن کے زیرِ اثر زندگی کے اعلیٰ مراتب کے لئے اس کی جد و جہد بتدریج ختم ہو رہی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہ درحقیقت زندگی ہی سے اکتا چکا ہے، اسکی نظر حقائق پر ہے، یعنی حواس کے اس سرچشمہ پر جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے لہٰذا اس کا تعلق اپنے اعماق وجود سے منقطع ہو چکا ہے اور پھر جیسا کہ ہکسلے (HUXLEY) کو بھی خدشہ تھا اور جس کا یہ تأسف وہ اظہار بھی کر چکا ہے، مادیات کے اس باقاعدہ نشو و نما نے اس کے رگ و پے بھی مفلوج کر دئے ہیں۔ [1]

عصرِ حاضر کی لادین اشتراکیت کا مطمعِ نظر بیشک نسبتاً زیادہ وسیع ہے، اور اسکے جوش و سرگرمی کا بھی وہی عالم ہے جو کسی نئے مذہب کا، لیکن اس کی اساس چونکہ ہیگل (HEGEL) کے مخالف نظر متبعین پر ہے۔ لہٰذا وہ اس چیز ہی سے برسرِ پیکار ہے جو اس کے لئے زندگی اور طاقت کا سرچشمہ بن سکتی تھی۔ [2]

**وحشیانہ رسہ کشی** | علامہ اقبالؒ مغربی سوسائٹی کو ایک ایسی سوسائٹی قرار دیتے ہیں جس کے پیچھے صرف وحشیانہ رسہ کشی کارفرما ہے، وہ اس کو ایک ایسی تہذیب کہتے ہیں جو دینی اقدار اور سیاسی اقدار کی کشمکش کی وجہ سے اپنی روحانی وحدت کھو بیٹھی ہے۔

وہ ایک واقف کار اور مبصر کی حیثیت سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو شجرِ مادیت کی دو شاخیں اور ایک ہی خاندان کے دو گھرانے قرار دیتے ہیں جس میں ایک مشرقی ہے اور ایک مغربی، لیکن مادی طرزِ فکر، زندگی اور انسان کے متعلق محدود نقطۂ نظر میں دونوں "ایک جان دو قالب" ہیں۔ ایک فکری اور تخیلاتی سفر میں، جس میں اُن کی ملاقات سید جمال الدین افغانی سے ہوئی ہے۔ ان کی زبان سے یہ تبصرہ نقل کرتے ہیں:

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب — ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
زندگی ایں را خروج آں را خراج — درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج
ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست — آں برد جاں را ز تن ناں را ز دست
غرق دیدم ہر دو را در آب و گِل — ہر دو را تن روشن و تاریک دل
زندگانی سوختن با ساختن
در گِلے تخمِ دلے انداختن [3]

---

[1] تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۲۸۹، ۲۹۰ [2] ایضاً ص ۲۹۱، ۲۹۲ [3] جاوید نامہ ص ۶۰

عزیاں گم کردہ اند افلاک را | در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک | جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس | بر مساوات شکم دارد اساس

تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخ او در دل نہ در آب و گل است [1]

مغربی تہذیب اور اسلامی ممالک | محمد اقبالؒ کا خیال تھا کہ مغربی تہذیب جو خود جاں بلب ہے اسلامی ممالک کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی اور نہ اس میں دوبارہ زندگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ کہتے ہیں :

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو | آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر | یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور [2]

مغرب نے مشرق کو احسان کا جو بدلہ دیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوریا نے کیا | نبی عفت و غم خواری و کم آزاری [3]
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کیلئے | مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری [4]

مشرق میں تجدد کے علمبرداروں پر ان کی تنقید | وہ اسلامی ممالک میں تحریکِ تجدید (لیکن زیادہ صحیح الفاظ میں "مغربیت") کے علمبرداروں سے بدگمان نظر آتے ہیں، اور یہ اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ تجدید کی دعوت کہیں تقلیدِ فرنگ کا بہانہ اور پردہ نہ ہو ـــــ کہتے ہیں :

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید | مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ [5]

وہ اس تحریک اصلاح و تجدید (مغربیت) کے علمبرداروں کی بے بضاعتی اور تہی مائگی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

میں ہوں نومید تیرے ساقیانِ سامری فن سے | کہ بزمِ خاوراں میں لے کے آئے ساتگیں خالی
نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں | پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی [6]

وہ دوسروں کی تہذیب و افکار کی اندھی تقلید کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ہر قوم کیلئے عار کی بات ہے نہ کہ اس قوم کے لئے ناقابلِ معافی گناہ ہے جو قوموں کی قیادت اور عالمی انقلاب

---

[1] جاوید نامہ صفحہ ۷۹ [2] ضرب کلیم صفحہ ۹۸ [3] حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں [4] ضرب کلیم صفحہ ۱۵۱ [5] ایضاً صفحہ ۱۵۰
[6] ضرب کلیم صفحہ ۷۹۔

کے لئے پیدا کی گئی ہے ۔۔۔ کہتے ہیں :

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد ہر دَور میں کرتا ہے طواف اسکا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو کر اسکی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک ہے جس کے تصوّر میں فقط بزمِ شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ [1]

وہ مشرق کی اسلامی اقوام کو ملامت کرتے ہیں جن کا منصبِ قیادت و رہنمائی کا تھا لیکن وہ پست درجہ کی شاگردی اور ذلیل قسم کی نقالی کا کردار ادا کر رہی ہے ۔۔۔ غالباً ترکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو [2]

جاوید نامہ میں پرنس سعید حلیم پاشا کی زبان سے ترکی میں کمالی اصلاح و انقلاب کی سطحیت اس کے کھوکھلے پن اور اس کے داعی و زعیم (کمال اتاترک) کی فکری کہنگی اور یورپ کی بے روح نقالی کی مذمت کھلے طریقہ پر کی ہے ۔

مصطفےٰ کو از تجدد می سرود گفت نقشِ کہنہ را باید زدود
نو نگردد کعبہ را رختِ حیات گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگِ نو در چنگ نیست تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست
سینۂ او را دمے دیگر نبود در ضمیرش عالمے دیگر نبود
لاجرم با عالمِ موجود ساخت مثلِ موم از سوزِ ایں عالم گداخت [3]

**تہذیبِ اسلامی اور اسکی حیات انگیزی پر یقین** وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی شریعت کی لازوال قوت اور ایک نئی دنیا اور نئے معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں ان کے عظیم امکانات پر پورا یقین رکھتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں جو ۱۹۳۲ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں دیا تھا ، مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

"جس دین کے تم علمبردار ہو وہ فرد کی قدر و قیمت کو تسلیم کرتا ہے ۔ اور اس کی اسطرح تربیت کرتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ خدا اور بندوں میں صرف کر دے ، اس دینِ قیم

---

۱ ضربِ کلیم ص۱۶۰ ۲ بالِ جبریل ۳ ص۶۲

کے مضمرات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ یہ دین اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جس میں غریب امیروں سے ٹیکس وصول کریں جس میں انسانی سوسائٹی معدوں کی مساوات پر نہیں بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو۔"

**جدید اسلامی تجربہ گاہ** | اُن کو پورے اخلاص کے ساتھ اس کا یقین اور احساس تھا کہ ایک ایسا خود مختار خطہ مسلمانوں کے لئے بیحد ضروری ہے جہاں اسلامی زندگی کا "عمل" اپنے سارے شعبوں اور پہلوؤں کے ساتھ جاری رہ سکے اور شریعت اسلامی اور زندگی کا اسلامی طریقہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور جوہر کا آزادی کے ساتھ اظہار کر سکیں اور چونکہ ہندوستان ہی (جیسا کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا) ایک ایسا ملک ہے، جہاں سب سے بڑا اسلامی مجموعہ آباد ہے، اس لئے وہ اس تجربہ کے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ ہے۔ اور یہاں وہ اسلامی مرکز، زیادہ گہرے الفاظ میں وہ لیبارٹری قائم ہو سکتی ہے، جہاں صالح سوسائٹی کی تشکیل، اجتماعی زندگی کی تنظیم، اقتصادی مسائل کا حل اور تہذیب کی صحیح و پاکیزہ رہنمائی، عقیدہ اور عمل، مادیت اور روحانیت اور فرد و جماعت کی ایک ایسی ہم آہنگی پیدا ہو سکے جو لوگوں کو تعجب و اعتراف پر مجبور کرے اور اسلامی ممالک کے رہنماؤں کو اس کی تقلید اور دنیا کے مفکرین کو نئے طرز پر سوچنے پر آمادہ کر سکے۔

یہ سیاسی بالغ نظری اور بلند ہمتی جسکی نظیر اس دور میں عالم اسلام میں مشکل سے ملے گی۔ مملکت پاکستان کی بنیاد تھی۔ ۱۹۴۷ء میں یہ خواب پورا ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ پاکستان کے اوّلین معماروں نے بھی اس فکری بنیاد کو تسلیم کیا جس پر اس عظیم ترین اسلامی ریاست کی تعمیر ہوئی تھی، اور اس کو اسلامی طریق زندگی کا ایک عملی یا تجربہ گاہ قرار دیا۔

مسٹر محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے بری بحری اور فضائی فوج کے افسران اور رسول حکام کے سامنے کی تھی، کہا:

"پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم دس سال سے کوشاں تھے بفضلہ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے، لیکن خود اپنی مملکت کا قیام ہمارے مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا۔ اصل مقصد نہیں تھا، منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ برتے جائیں۔"

(SPEECHES QUAID-I-AZAM MOHAMMAD ALI JINNAH, P. 22)

لیاقت علی خاں مرحوم نے ۱۴ر جنوری ۱۹۴۸ء کو پشاور کے ایک اجتماع میں کہا :

"پاکستان ہمارے لئے ایک تجربہ گاہ ہے ۔ اور ہم دنیا کو دکھلائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کار آمد ہیں ۔"

ایک دوسرے موقع پر ۱۹۵۰ء میں انہوں نے ایک تقریر میں کہا :

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھالیں ، ہم نے ایک ایسے محل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی ہے ۔"[1]

لیکن یہ تجربہ جو اپنی اہمیت ، نزاکت اور اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے تاریخ کا ایک اہم ترین اور عہد آفریں (EPOCH-MAKING) واقعہ تھا، ان ہی رہنماؤں کے ہاتھوں کامیاب ہو سکتا تھا، جو اسلامی شریعت کی ابدیت اور اسلامی تہذیب کی برتری پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، جن کا خلوص اور صداقت ، خود غرضی ، مفاد پرستی اور مصلحت کوشی سے پاک اور ہر شبہ سے بالاتر ہو، اُن کا ذہن مغربی اقدار و افکار کی غلامی اور ان کی سیرت غیر اسلامی تعلیم و تربیت کے اثرات سے بالکلیہ آزاد ہو چکی ہو اور ایمان راسخ اور اخلاقی جرأت کے ساتھ وہ جدید علوم کے پیدا کردہ وسائل اور قوتوں کو اپنے اعلیٰ دینی و اخلاقی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی قدرت اور آزاد و جدید اسلامی معاشرہ کے ماحول کے مطابق ان کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ۔

**نازک امتحان** | لیکن اس تجربہ کو کامیاب بنانے اور تاریخ کے اس نادر و زریں موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے (جو صدیوں کی مدت میں کسی قوم کو مل سکتا ہے اور بخصوص سیاسی و بین الاقوامی حالات کی بنا پر ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو حاصل ہوا تھا ۔) جن وسیع صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے اشخاص درکار تھے، اُن کے انتخاب پر مناسب توجہ نہیں کی گئی اور ان کی تربیت اور تیاری کے لئے مناسب اور ضروری وقت نہ مل سکا ۔ اور نہ اُس کو ضروری سمجھا گیا، مشرقی اسلامی ممالک میں جو مغربی نظام تعلیم عرصہ سے رائج تھا اور مغربی تعلیمی مرکز جہاں اُن لوگوں نے تعلیم حاصل کی تھی ، (جن کی تقدیر میں اس نئی اسلامی ریاست کی تشکیل اور رہنمائی کا نازک کام آیا تھا ۔) اس سے بہتر نمونہ

---

[1] نوائے وقت ۸ر جنوری ۱۹۵۰ء

پیش کرنے سے قاصر تھے جو ہمیں پاکستان کی موجودہ شکل میں نظر آتا ہے، وہ اس طرزِ فکر اور طرزِ حیات کے سوا دنیا کو کچھ اور نہیں دے سکتے تھے، اور جسطرح درخت کو اُس کے قدرتی پھل پر ملامت نہیں کی جا سکتی، اس نظامِ تعلیم، اس کے مغربی رہنماؤں اور اس ذہنی ماحول سے شکایت بیجا ہے کہ اُس نے اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لئے ایسے رہنما اور سربراہ مہیا نہیں کئے جن کو دین کی ابدیت و کاملیت اور اس کی لافانی صلاحیت پر غیر متزلزل یقین ہو اور اسکی توسیع و تبلیغ کے لئے ان کے اندر قرونِ اولیٰ کا سا جوش پایا جاتا ہو، جو مغرب کے افکار و اقدار کے سامنے سپر ڈالنے کی بجائے اور اپنے ملک کے قانون و نظام کو اُن کے سانچہ میں ڈھالنے کی بجائے مغربی تہذیب کے صالح اجزاء اور وسائل و علوم جدیدہ کے آہن کو اپنے یقین کی گرمی سے پگھلا کر اپنی تہذیب کے سانچہ میں ڈھالیں اور اپنی ضرورت اور اپنے ڈھب کے سانچے تیار کرلیں۔

افسوس ہے کہ ایجابی اور مثبت طور پر قیامِ پاکستان کی معتدبہ مدت میں بھی نظامِ تعلیم کو (جو کسی ملک کو کسی خاص رُخ پر لے چلنے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔) اسلامی روح اور اسلامی مقاصد کے لئے ازسرِ نو ترتیب دینے۔ پاکستانی معاشرہ کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے، آئین کو اسلامی بنانے، ذہنی انتشار اور اخلاقی فساد کے معلوم و معروف ناکوں اور سرچشموں کو بند کرنے کے لئے کوئی جرأت مندانہ اقدام نہیں اٹھایا گیا، اور کسی طرح اس کا ثبوت دینے کی مخلصانہ سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی کہ پاکستان ایک نیا اسلامی معمل اور تجربہ گاہ ہے۔ جہاں اسلامی طریقِ زندگی کی افادیت، اسلامی اصول و قوانین کی صلاحیت اور اسلامی تہذیب کی فوقیت کا عملی ثبوت فراہم کیا جائے گا۔ اور دوسرے ابھرتے ہوئے ممالک کے لئے عملی مثال پیش کی جائے گی، اس کے برخلاف عائلی قانون (MUSLIM FAMILY LAWS) ۱۹۶۱ء نے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کے آئین ساز اور سربراہ مغربی افکار و اقدار سے نہ صرف پوری طرح متاثر ہیں بلکہ اُن کو آئین سازی کے لئے فیصلہ کن بنیاد سمجھتے ہیں اور شریعت کی کاملیت اور ابدیت پر اُن یقین نہیں۔

بالآخر نومبر ۱۹۶۳ء میں قومی اسمبلی نے اپنے ڈھاکہ کے اجلاس میں اس عائلی قانون کو منظور اور ان تمام ترمیمات کو جو اس بنیاد پر تھیں کہ یہ قانون قرآن و سنت کے نصوص و تصریحات اور اجماع و تعامل کے خلاف ہے، مسترد کر دیا۔ اور لوگوں نے تعجب کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبر پڑھی :-

"یہاں قومی اسمبلی نے کل بڑی اکثریت سے "عائلی قانون" میں ترمیم کی کوشش کو

رد کر دیا، اس کی بعض دفعات میں ترمیم کا بل ایوان کے سامنے آیا تھا۔ مارشل لاء کے زمانہ میں نافذ شدہ یہ عائلی قانون مردوں کے ایک سے زیادہ شادی کرنے کے آزادانہ اختیار کو منسوخ کر چکا ہے، ترمیم کے موافقوں نے اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ قانون شریعت اور قرآن شریف کے خلاف ہے، جس میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت دی گئی ہے۔ پاکستان کے روشن خیال طبقہ کا کہنا ہے کہ یہ اجازت وقتی اور ہنگامی تھی، اور اس کا مقصد سماج میں تدریجی اصلاح کرنا تھا۔

اسلام کے منصوص[1] و اجماعی[2] مسائل کے بارہ میں جب پاکستان کا یہ رویہ ہے تو تہذیب و معاشرت، تعلیم و تربیت، سیاست و آئین کے بارہ میں بلند توقعات قائم نہیں کی جا سکتیں، درحقیقت اکثر نئے آزاد یا قائم ہونے والے اسلامی ممالک ترکی کے نقشِ قدم پر سرگرم سفر یا آمادۂ سفر ہیں، اور اُن کے سربراہوں میں (اُن کی مغربی تعلیم و تربیت کے اثر سے) اتاترک کی تقلید کا کم و بیش شوق پایا جاتا ہے۔

بہر حال پاکستان کا اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف اور عصرِ حاضر کی دوسری نامذہبی (SECULAR) اور تجدد پسند (MODERNIST) حکومتوں کی تقلید تاریخِ جدید کا ایک عظیم سانحہ ہوگا اور اُن کروڑوں افراد کے ساتھ بے وفائی، جنہوں نے اس اسلامی معمل اور تجربہ گاہ کے قیام کے لئے شدید ترین تکالیف برداشت کیں اور عظیم قربانی پیش کی، اس سے بڑھ کر اس کا نقصان یہ ہوگا کہ یہ طرزِ عمل ہمیشہ کے لئے اس اُمنگ اور آرزو کو سرد کر دے گا، اور اس تجربہ کی کامیابی کے امکان کو اگر ختم نہیں تو نہایت بعید بنا دے گا۔ اور بے لاگ تاریخ اور انسانی تجربہ اس کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ پھر اس کا نام لیا جائے، پاکستان کی اس نازک اخلاقی ذمہ داری کو پروفیسر اسمتھ (WILFRED CANTWELL SMITH) نے بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے، وہ اپنی کتاب (ISLAM IN MODERN HISTORY) میں لکھتے ہیں:۔

"— شاید پاکستانی کسی وقت یہ خیال کریں کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا کام اُن کے ابتدائی اندازہ سے کہیں زیادہ دشوار طلب ہے۔ لیکن سوچا جائے تو اب اُن کیلئے کوئی راہ مفر باقی نہیں، اُن کے وعدے اور دعوے اتنے بلند بانگ اور واضح تھے

---

[1] جن کے لئے قرآن مجید میں نصِ صریح موجود ہے۔ مثلاً قانونِ میراث، مرد کے لئے طلاق دینے کی آزادی، تعدد ازدواج وغیرہ۔ [2] جن پر ساری امت کا اتفاق ہے۔

باقی صفحہ ۵۴ پر